تعلیم و تربیت کے مغربی فلسفوں کا جائزہ

مولانا حذیفہ غلام محمد دستانوی

تعلیم و تربیت کے فلسفی مبانی کی وضاحت

تعلیم و تربیت کا موضوع چونکہ ''انسان'' ہے، اس لیے ہر نظریاتی مکتب انسانی تربیت کے ضمن میں انسان کی ماہیت، اس کی خلقت، کائنات میں اس کے مقام، حیات کے آغاز، ہدف اور حیات کے اختتام سے متعلق دوسرے مکاتب کی نسبت مکمل اور بہتر جواب دینے کی تگ و دو میں رہتے ہیں۔ انسان جب اپنے اطراف میں نگاہ دوڑاتا ہے تو کئی بنیادی سوالات جنم لیتے ہیں، جیسے اردگرد نظر آنے والے موجودات، آیا بہت سے وجودات ہیں یا ایک وجود؟ اگر وجودات کی کثرت ہے، تو کیا ان کا آپس میں کوئی رابطہ ہے یا نہیں؟ اگر رابطہ ہے تو کیا یہ ایک نقطہ پر ختم ہوتا ہے یا نہیں؟ اگر ایک نقطہ پر ختم ہوتا ہے تو کیا وہ نقطہ مادی ہے یا غیر مادی؟

ہر مکتب کا تصور کائنات (جہاں بینی) ان سوالات پر استوار ہوتا ہے اور جو علم ان سوالات کے جواب فراہم کرتا ہے اسے فلسفہ کہتے ہیں۔ تصور حیات یا نظام زندگی (ایڈیولوجی)

اسی تصور کائنات کی بنیاد پر تشکیل پاتا ہے اور انسانی عملی زندگی کی اساس مہیا کرتا ہے۔

تعلیم و تربیت کے فلسفی مبانی (بنیادوں) کی بحث تعلیم و تربیت کے کلیات پر مبنی (فلسفہ تعلیم و تربیت کی) بنیادی نظریاتی مباحث کی اہم ترین بحث ہے، جیسا کہ مبانی کی تعریف میں ذکر ہوا ہے کہ مبانی انسان کی موقعیت اور خصوصیات کو اُس کی زندگی اور روزمرہ رویے کے لیے واضح کرتے ہیں۔ لہٰذا تعلیم و تربیت کے فلسفی مبانی (بنیادوں) تعلیم و تربیت کے موضوع یعنی ''انسان'' کی خلقت اور ہستی میں مقام اور روابط کی حقیقی تعریف و تفصیل کی تشریح کرتے ہیں، اس سے بڑھ کر تربیت کے عمومی اہداف، اصول اور طریق کار جو کہ تربیت لوازمات کا ایک سلسلہ ہیں وہ بھی ہر مکتب کے فلسفی مبانی (بنیادوں) سے ہی متاثر اور واضح ہوتے ہیں۔

مندرجہ بالا وضاحت کی روشنی میں تعلیم و تربیت کے فلسفی مبانی کی بحث میں درج ذیل چار پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے موازنہ کریں گے۔

(۱) تعلیم و تربیت کے تصور علمیات (علم العلم) سے متعلق (Epistemological) مبانی

(۲) تعلیم و تربیت کے تصور کائنات سے متعلق (Ontological) مبانی

(۳) تعلیم و تربیت کے نظام اقدار سے متعلق (Axiological) مبانی

(۴) تعلیم و تربیت کے تصور انسان سے متعلق (Anthropological) مبانی

انسان سے مربوط کئی دوسرے عوامل نفسیات، معاشرت، شہریت، ثقافت وغیرہ بھی تعلیم و تربیت پر اثر انداز ہوتے ہیں، لیکن یہ سب اوپر ذکر کیے گئے چار نسبتاً کلی اور بنیادی امور کی بہ نسبت جزئی اور فرعی شمار ہوتے ہیں، اس لیے اپنی بحث میں تعلیم و تربیت کے فلسفی مبانی میں انہی چار نسبتاً کلی اور بنیادی امور کے بارے میں مغربی اور اسلامی طرز فکر و نظر کا مختصراً تقابلی جائزہ پیش کریں گے اور آخر میں نتیجہ نکالیں گے۔

مغربی تعلیم وتربیت کے فلسفی مبانی

ہر فکری اور نظری مکتب انسانی، ماہیت اور شخصیت، آغازِ خلقت، اختتام اور دنیاوی زندگی کے بارے میں اُٹھنے والے سوالات کے جواب میں یہی کوشش کرتا ہے کہ دیگر مکاتب سے بہتر اور مکمل تر جواب پیش کرے، جب کہ یہ بھی حقیقت سے متعلق درست ہوسکتا ہے، چونکہ کسی بھی موجود کی معروضی حقیقت ایک سے زیادہ نہیں ہوسکتی، مغربی مکاتب فکر کی اکثریت انسان کی پیدائش، ذات اور تعریف اور اس طرح اس کی تعلیم و تربیت سے متعلق تصورات اور نظریات روحانی اور ماوراء طبیعت سے قطع نظر صرف مادہ پرستانہ تفسیر پر منحصر ہیں، اسی لیے مغربی تربیتی فلسفے جو تعلیم وتربیت کے موضوع پر خدا اور دین کے بارے میں اگر کسی بھی قسم کے منفی یا مثبت عقیدے کا اظہار نہ بھی کر رہے ہوں، تو بھی عملاً عمدی یا غیر عمدی طور پر، دین کا انکار اور سیکولر نظریات کی ترویج کرتے نظر آتے ہیں اور ان کے تربیتی اہداف و انسانی کمال صرف اسی مادی دنیا تک محدود ہیں۔

نفی دین کے علاوہ کئی مغربی مکاتب نے انسانی قدر و منزلت کو اسی عالم میں حد سے بڑھا کر پیش کیا تو کسی نے اس کی انتہائی پست حیثیت پیش کی۔ وہ مکاتب جنہوں نے انسان کی افراطی شناخت کروائی، ان میں مکتب اصالت ہستی (Existentialism) جسکے بانی، ''کیر کگارڈ'' (Kier Kegaard) اور ''نطشے'' (Netizsche) مانے جاتے ہیں اور مکتب انسان پرستی (Humanism) جس نے انسان کو اس عالم کا محور اور خدا قرار دیا، جب کہ جن مکاتب نے انسانی منزلت کو اپنے مقام سے گھٹایا، تو انہوں نے یا تو انسان کو مشین میں لگے پرزے کی مانند شمار کیا، جو نہ کسی ارادے اور نہ ہی اختیار کا حامل ہے یا انسان کی خواہشات، ضروریات اور شوق و رغبت اور احساسات کو دیگر حیوانات کی مانند فرض کیا۔ جن میں ''فرویڈ'' کا مکتب نفسی تحلیل (Pshycho-Analysis) وغیرہ شامل ہیں۔ ان تمام مکاتب نے انسانی نظریات، وقت اور سرمے کو کسی ایک خاص جزئی انسانی پہلو کی

طرف متوجہ رکھا اور اس کے ہر اور بلند مرتبہ پہلوؤں سے فضیلت برتتے رہے۔

مغربی تعلیم و تربیت کے فلسفی مبانی کے جائزے میں صرف عصر حاضر کے اہم ترین اور رائج نظریہ انسانی پرستی (Humanism) پر توجہ مرکوز رکھیں گے، جو تقریباً سولہویں صدی سے بقیہ تمام اخلاقی، ہنری، ادبی، سیاسی، تربیتی اور عقیدتی تصورات پر خدا محوری کی بجائے انسان محوری کے عنوان سے حاوی چلا آرہا ہے اور سیکولرزم کے ساتھ مل کر یہ دو نظریے مغربی لیبرل ڈیموکریٹک سرمایہ دارانہ نظام کے دو پروں کی مغرب جہاں پہنچ چکا ہے، وہاں فکری ارتقا کے حوالے سے انسانی تاریخ اپنی انتہا کو پہنچ چکی ہے۔

مغربی تعلیم و تربیت کے تصورت علمیات سے متعلق مبانی

تصورت علمیات فکری اور نظری عملیات کا وہ علم ہے، جو موضوع انسانی اور اس کے تصوراتی نظام اور معروضی حقائق کی تسلی بخش آگاہی اور شناخت اہم ترین رکن ہیں۔ اس لیے علوم و معرفت کے حصول کے امکان، وسائل، منابع اور موضوعات کے مجموعے کو تعلیم و تربیت کے علمیاتی یا معرفت شناسانہ (Epistemological) مبانی کے عنوان کے تحت مو و مطالعہ قرار دیا گیا ہے۔

یہاں اہم ترین سوال یہ ہے کہ کیا معروضی حقائق تک اپنے نفس، انا اور تعصب کے دخل اندازی کے بغیر، واقعی اور معروضی حقائق تک انسان کی رہنمائی ممکن ہے، تاکہ تعلیم و تربیت کے ذریعے حقائق اشیاء کی دریافت اور قوانین قدرت تک رہنمائی اور صداقتوں تک رسائی حاصل کرنے کی راہ بھی ہموار ہو سکے۔

اپسٹی مالوجی یونانی ''اپیس تے مے'' بمعنی علم ''لوگس بمعنی بحث'' سے مشتق ہے۔ اس مرکب لفظ کا صحیح ترجمہ مبحث علم یا علمیات سے موسوم ہے۔ علمیات و تدقیق کی ابتدا اُن شکوک اور اوہام سے ہوئی جو ہمارے طریق علم اور علمی نتائج کے معتبر اور صحیح ہونے پر کیے گئے تھے۔

تاریخی طور سے مغرب کی علمی میراث قدیم یونانی فلسفے کی مرہون منت ہے اور جہاں تک تاریخ کے باقاعدہ آثار موجود ہیں (تقریباً ۴۰۰ سال قبل مسیح) مغربی فکر الوہی عقل سے دوری کی بنا پر ابتدا ہی سے ''آرخہ'' (یعنی کائنات کے مادۃ المواد یا عنصر اولیہ) پر اختلاف کی وجہ سے سوفسطائیوں کی شکیت (ارتیابیت Scepticism) اور استرائی و تجربیت کے بھنور میں غرق معروضی حقائق اور واقعیت کی شناخت سے کوسوں دُور دکھائی دیتی ہے، جس سے آج تک وہ چھٹکارہ نہیں پاسکی۔

عہد وسطیٰ کی آخری صدی میں پورے یورپ میں کافی ساری تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ دوسری طرف خدا اور وحی الٰہی سے جدائی نے مغربی فکر و نظر کے سامنے آہستہ آہستہ مشکلات کا ایک ڈھیر لگا دیا۔ اس اکھاڑ پچھاڑ میں، جس میں لوگوں کی فکری اور فلسفی بنیادی ڈھیر ہوئیں اور عقائد اور ایمان کی تبدیلی رونما ہوئی متفکرین اور محققین کے ذہنوں میں اس شبہ نے جنم لیا کہ کیسے اطمینان اور یقین حاصل ہو کہ ہمارے حالیہ عقائد اور تصورات بھی غلط نہیں ہیں؟ اور ایک دن وہ بھی باطل ثابت نہ ہوں گے؟ اور کیسے پتا چلے کہ جدید علمی دریافتیں بھی ''بطلیموس'' نظام کی طرح ایک دن اُسی بطلان کا شکار نہیں ہوں گی؟ یہاں تک کہ مونتی جیسے بڑے مفکر نے تو علم و دانش کی قدر کا سرے سے انکار کرتے ہوئے واضح لکھا کہ کس طرح یقین پیدا کریں کہ ایک دن ''کوپرنیک'' کے نظریات بھی باطل نہ ہوں گے؟ اس نے ایک ایک بار پھر قبل از مسیح کے سوفسطائیوں اور شکاکوں کے شبہات کو نئے پیرائے میں بیان کرتے ہوئے ارتیابیت (Scepticism) کا بھرپور دفاع شروع کردیا اور ساتھ ہی اسی زمانے میں فرانس بیکن نے اُسی شکاکانہ ذہنیت کو دُور کرنے کے لیے تجربیت (Empiricism) کی بنیاد رکھی اور انسان میں ہر قسم کے فطری علم کی موجودگی کا انکار کیا، یوں سولہویں صدی کے شروع میں مغرب میں شکیت (ارتیابیت) اور تجربہ پسندی کے ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔

''میں شک کر رہا ہوں لہٰذا میں ہوں'' یہ جملہ تھا معروف فرانسیسی فلاسفر ڈکارٹ کا، جس نے اس متزلزل فکری دور میں فلسفی مسائل کے حل کے لیے سر توڑ کوششیں کی، لیکن ڈکارٹ کی طبیعت سے میکینکل فلسفی تفسیر (Mechanical Philosophy) اور فطرتی معرفت کے تصور اور ساتھ ہی اس زمانے کے حالات، جن کے تحت عمومی طور پر علمی حلقے فلسفیانہ مسائل اور ماورا طبیعت سے بے توجہ، صرف حسی اور تجربی علوم میں ذوق وشوق کا اظہار کر رہے تھے، یورپ میں کسی باقاعدہ تسلی بخش فلسفی مکتب کو وجود میں نہ آنے دیا۔ آہستہ آہستہ اُس حسی اور تجربی علو کے شوق نے افراطی شکل (Scientism) اختیار کر لی اور معروضی حقائق کی معرفت کا معیار مادی وحسی تجربہ قرار پایا۔

فکر ونظر کے اس بنتے بگڑتے دور کو جب کوپرنیک اور کیپلر کے نظریات نیوٹن کے جدید نظریات نے توڑے، تو ماورا طبیعت اور روحانی اساس سے جدا تجربی علوم میں منہمک مفکرین کے لیے ایک اور زبردست دھچکا تھا۔ اس کے نتیجے میں مغربی معاشرے میں شکیت کی تیسری لہر سترہویں صدی کے اواخر سے اٹھارہویں صدی تک حس اور تجربہ پرستانہ تصور کے حامل تین انگریز فلاسفروں بالترتیب جان لاک، بارکلے، ڈیوڈ ہیوم کے ذریعے ایک مرتبہ پھر اٹھی، ماورا طبیعت پر شکوک اور شبہات میں رہتی کسر ہیوم کے بعد جرمنی فلاسفر ایمان نوبل کانٹ نے اپنے عینیت (Subectivism) کے نظریے سے پوری کر ڈالی۔ کانٹ کے نظریے کے مطابق علم محض داخلی چیز ہے اور حقیقت کا کوئی ظاہری معیار نہیں ہے۔ اس کے بقول جو چیز ذہن پر عکس باندھتی ہے (Phenomenon) اور جو چیز معروضی طور پر موجود ہے (Noumenon) ایک سی نہیں ہیں۔ اشیاء جس طرح موجود ہیں (Objective) قابل شناخت نہیں، کانٹ نے کسی حد تک پامال ہوئی اخلاقی اقدار کو زندہ کرنے میں اہم کردار ادا کیا، مگر دوسری طرف فلسفہ ماورا طبیعت (Metaphysiscs) کی بنیادوں کو صفحہ ہستی سے مٹانے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔

عصر حاضر کے امریکی مصلحت اندیشانہ مکتب (Pragmatism) کے جان ڈیوی جنہیں افلاطون اور ''روسو'' کے بعد تعلیم و تربیت کے میدان میں اہم ترین فلاسفر شمار کیا جاتا ہے، شناخت کے بارے میں ان کا تصور، ڈاوین کے ارتقائی نظریے (Evolution Theory) اور نفس شناسی پر مبنی ہے۔ ساتھ ہی تجرباتی فطرت (Empirical Naturalism) پر اعتقاد کے ناطے خدا، دین اور اخلاق کے منکر ہیں۔

درحقیقت علم معرفت شناسی یا علمیات (Epistemology) اسی مغربی متزلزل ذہنیت اور ارتیابیت کی بنا پر یورپ میں پہچان کے لئے وحی کی جگہ سنبھال ہوئی ہے اور ولم کی پوجا (Scientism) نے دین کی مخالفت کا پرچم بلند کررکھا ہے۔ حتیٰ کہ خود عقل کو بھی جو ۱۷ اور ۱۸ صدی میں برتری حاصل تھی، وہ بھی ۱۹ اور ۲۰ ویں صدی کے بعد حس اور تجربہ پرستی (Empricism) نے لے لی ہے۔ نتیجتاً آج مغرب میں معرفت شناسی کا کوء ایک معیار نہیں۔ کوئی حقیقت کو ہر وہ فکر قرار دیتا ہے جو انسان کے لیے مفید ہو، کسی کے نزدیک حقیقت حس اور تجربے سے ثابت ہونے والی معرفت ہے، کسی کے نزدیک ہر وہ چیز جو عموی طور پر ایک عقل مند قبول کرے حقیقت ہے، تو کہیں حقیقت ایک اضافی (Relative) امر ہے ہر ایک کی فہم کے مطابق۔ خلاصہ یہ کہ جب معروضی حقائق کی یقینی معرفت کے حصول کے کوئی متفقہ باوثوق مبانی یا ذرائع ہی نہ ہوں، تو انسانی تربیتی اصولوں کے وضع کرنے کا کون سا منبع اور طریقہ قابل اطمینان قرار پائے گا؟

مغربی تعلیم و تربیت کے تصور کائنات سے متعلق مبانی

مغرب کی زمین پر نشاۃ ثانیہ (Renaissance) اور خاص طور پر جدیدیت (Modemism) کے دور میں کئی فلسفی مکاتب نے جنم لیا اور ہر ایک نے اپنے تصور کائنات کی تفسیر سے ملحدانہ تہذیب کے پھیلاؤ میں موثر کردار ادا کیا۔ جیسے ڈکارٹ اور اس کے طرف داروں کا عقل پسندانہ مکتب، بیکن، جان لاک، ہیوم وغیرہ کا، حس اور تجربہ پرستانہ

مکتب، بنتھام اور جان اسٹورٹ میل کا خالص افادیت پسند مکتب یا کانٹ کا عینیت پسند مکتب، جو عقل پرستی اور تجربہ پرستی کا آمیزہ ہے، ہیگل کا ڈایالیٹک اور مارکس کا ملحدانہ مادی پرسانہ مکتب، ویلیام، جیمز اور جان ڈیوی کا مصلحت پسندی کا مکتب یا کیگور کا وجودیت پرستانہ مکتب۔ ان میں سے ہر ایک نے مختلف زمان و مکان میں ظاہر ہو کر دین کی مخالفت اور ملحدانہ تہذیب کے فروغ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ اُن مکاتب کے باہمی اختلافات کے باوجود جیسے ان میں سے بعض کے رہنما مذہبی تھے اور بعض کے مادہ پرست اور بعض موارد میں تو ان کے اختلافات انتہائی بنیادی نوعیت کے بھی تھے، مگر سب کے سب ایک مسئلہ میں متحد اور متفق تھے اور وہ کلیسا اور دین کی حکمرانی کے مخالفت تھی، چاہے وہ اس منحرف عیسائی دین میں اصلاح کے خواہش مند تھے یا دین کو خرافات اور معاشرے کے لیے نشہ قرار دیتے تھے، سب ہی نے ملحدانہ اور مغربی انسان پرستانہ تہذیب کے پھیلنے کے اسباب مہیا کیے۔

آج یہی انسان پرستی اپنی جدید شکل میں انسان کے خدا کو خود انسان قرار دیتی ہے، یہاں تک کہ مذہبی امور میں بھی اس طرح انسان پرستانہ تصورات کی تلقین کی جاتی ہے، کہ مرنے کے بعد تدفین کے موقع پر بھی دفن کے مراسم کے لیے ایسا لٹریچر تیار کیا گیا ہے، جس کی چھوٹی سی عبارت میں بھی خدا کی طرف اشارہ موجود نہیں۔ جدید دور کے انسان پرستوں نے انسان کی ابدی زندگی اور موت کے بعد حیات کے انکار جیسی کوششوں سے انسانی ضمیر کو صرف اسی چند سالہ زندگی تک محدود کرنے اور اس پر راضی رکھنا چاہا ہے۔ اس تناظر میں انسان پرستانہ مکتب میں تعلیم و تربیت کا نظام اس کے اصول، طریقہ کار اور نصاب (Syllabus) ایک خاص شکل اختیار کر جائیں گے۔ تعلیم و تربیت کی حدود اس مادی جہان تک محدود ہو کر رہ جائیں گی اور انسان کی مادی ضروریات اور رجحانات کی سطح سے آگے نہ بڑھ پائیں گی، لہٰذا انسان اس طرح تعلیم حاصل کرے گا اور تربیت پائے گا کہ فقط اپنی ضروریات کی فراہمی اور اپنی ہر خواہش کی تسکین حاصل کر پائے اور یہی مغربی

انسانی تعلیم وتربیت کے مراحل میں سب سے اعلیٰ کمال کا مرحلہ ہے۔

مختصر یہ کہ مغربی تربیتی نظام کے ہستی شناسانہ تصورات میں انسان پرستی (Humanism) اور دین سے جدائی (Secularism) سیکولرازم دو اہم ترین محور ہیں، جن کا مختصر تعارف ذیل میں پیش کیا جارہا ہے۔

الف: انسان پرستی (Humanisn)

انسان پرست، انسان اور اس میں موجود توانائیوں کی طرف افراطی توجہ کی بنا پر تمام الوہی اور ماوراطبیعی اقدار کا انکار کرتے ہیں اور اس جہان ہستی کا محور اور معیار انسان کو قرار دیتے ہیں۔ دراصل انہوں نے انسان کو خدا کی جگہ لا بٹھایا ہے۔ یہ تصورات دراصل عہد وسطیٰ میں بادشاہوں، زمین داروں (فیوڈلز) اور عیسائی پادریوں (علما) کے ظالمانہ رویوں کے خلاف ردعمل کے طور پر اُبھرے تھے۔ پہلے پہل اس تحریک کا آغاز ادبی اور ثقافتی حلقوں میں، عہد وسطیٰ سے پہلے کے یونانی اور قدیم رومی ادب کی تجدید کے ذریعے انسانیت کو زندہ کرنے کے لیے ہوا، بعد کے مراحل میں اس ادبی تحریک نے سیاسی رنگ اختیار کیا اور پھر اگلے مرحلے میں دین، معنویت، وحی وآخرت اور کلیسا کی مخالفت کا رُخ اختیار کرلیا۔ انسان پرستی کے تاریخی اعتبار سے مختلف معنی اور تفسیریں موجود ہیں اس تحریک نے پوری مغربی سرزمین کو متاثر کیا۔

انسان پرستانہ فکر کے اہم اصول

(۱) انسان محوری (۲) انسانی آزادی اور اختیار پر تاکید (۳) انسانی عقلیت پسندی پر افراطی عقیدہ (۴) فطرت پرستی (بجائے دین) (۵) پلورالیزم (کثرتیتی یعنی ہر انسان کا عقیدہ اسی کے لیے درست ہے)

ب۔ سیکولرازم

انگریزی زبان میں Secular بمعنی دنیوی دراصل لفظ Sacred یعنی مقدس

(دین سے مربوط) کے مقابل ہے۔ لہٰذا سیکولر، یعنی جو کچھ اس جہان سے متعلق ہے اتنا ہی خدا اور الوہیت سے دور ہے۔ اصطلاحی معنی میں یہ عقیدہ کہ تعلیم و تربیت، اخلاقیات اور سیاست وغیرہ کو مذہب سے جدا ہونا چاہیے۔

مغربی معاشرے کے صاحبان اختیار نے جدید تہذیب اور تمدن کی بنیادوں میں ایک طرف تو دین عیسائیت سے بے توجہی برتی تو دوسری طرف فکری اور نظری نظام کی تشکیل میں سیکولرازم کو اہمیت دی اور سیکولرازم کی تقویت کا باعث بننے والے اصول اور قواعد بنائے جو دراصل مندرجہ بالا انسان پرستانہ تصورات کے ہی ثمرات ہیں۔ بہ طور مختصر سیکولرازم کی فکری اساس درج ذیل عناصر پر مشتمل ہیں:

(۱) انسان پرستانہ معیار

(۲) عقلیت پسندی (Rationalsim)

(۳) علوم محوری (Scientism)

(۴) آزادی (Liberalism)

(۵) جدیدیت بمعنی نفی دین (Modernism)

عصر حاضر میں جدید مغربی تہذیب یعنی لبرل ڈیموکریسی کی تمام تر اساس یہی ہیومنزم اور سیکولرازم ہیں۔ لبرل ازم ایک زمانے میں ظالمانہ حکمرانی کے خلاف اہم ترین نظریہ خیال کیا جاتا تھا، لیکن انیسویں صدی میں لبرل حکومتوں کے وجود میں آنے کے بعد معاشرے کے طاقت ور طبقے کا ضعیف طبقے پر حکمرانی کے لیے ایک ہتھیار اور وسیلے کی شکل اختیار کر چکا ہے۔ مغربی تعلیم و تربیت کے تصور کائنات سے متعلق (ہستی شناسانہ) مبانی انہی بنیادی نظریات کا ماحصل ہیں۔ نتیجتاً تربیتی اور امور پر حاکم اصول، اہداف اور طریق کار انہی مبانی کے بل بوتے پر تشکیل پاتے ہیں۔